تحریک پاکستان میں علماء کا کردار

کرم حیدری

برصغیر ہندو پاکستان میں جب مسلمانوں کی قوت زوال پذیر ہوئی اور ایک غیر ملکی سامراجی قوت نے قدم بہ قدم آگے بڑھنا شروع کیا تو مسلمانوں کے جس طبقے نے سب سے پہلے اس فتنے کا اندازہ لگایا اور عملی طور پر اس کی روک تھام کی کوششیں کیں وہ طبقہ علمار کا تھا۔ علمائے امت نے صرف اس پر اکتفا نہ کیا کہ زعمائے قوم کو اس خطرے کے خلاف مناسب تدابیر اختیار کرنے کے مشورے دیئے۔ اور عامۃ المسلمین میں جہاد کے جذبے کو بھی زندہ رکھا بلکہ جہاد کے لئے خود بھی اپنے حجروں اور خانقاہوں سے باہر نکلے مجاہدین کی تنظیم کی اور دشمنوں کے خلاف میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے رہے۔ مجاہدین کی اولین عسکری تنظیم جس نے پہلے سکھوں کی بالادستی ختم کر کے شمال مغربی ہندوستان میں اپنے قدم جمانے اور پھر وسیع پیمانے پہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کا پروگرام بنایا وہ علمائے کرام کی باکمال بصیرت اور سرفروشانہ شجاعت ہی کی مرہون منت تھی۔ ان علمائے حق میں جناب سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جس عزم و ہمت کے ساتھ جہاد کیا اور جہاد کرتے ہوئے شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے وہ ہماری تاریخ حریت کی زندۂ جاوید داستان ہے۔ ان کے علاوہ بیسیوں اور علمائے حق ایسے گزرے ہیں جنہوں نے میدان جہاد میں اپنے جوہر دکھلائے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ہر

تکلیف اور ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا۔[1]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علمائے حق نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اور کئی سرکردہ علمائے دین انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے۔ اگرچہ جنگ آزادی کی ابتدا چند فوری وجوہ کی بناء پر ہو گئی تھی لیکن اس جنگ میں بھرپور قوت علماء کے فتاویٰ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔[2] اسی زمانے میں حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک بھی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ یہ تحریک مسلمانوں کو ان کے دینی فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی۔ لیکن اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ غریب مسلمان کاشتکاروں کو انگریزوں کی طرف سے مسلط کئے ہوئے ہندو زمینداروں اور جاگیرداروں کے ظلم و ستم سے نجات دلائی جائے۔ اس تحریک نے غریب مسلمانوں کو عزتِ نفس کا احساس دلایا اور ان کے دلوں سے مرعوبیت اور کمتری کے احساس کو ختم کیا۔[3]

بیسویں صدی میں علمائے امت کے کارنامے

اگرچہ برصغیر کی دو بڑی سیاسی جماعتیں انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں وجود میں آ چکی تھیں لیکن ابتدا میں ان دونوں سیاسی جماعتوں میں انگریزوں کے سامنے حریفانہ انداز میں کھڑے ہونے کی ہمت نہیں تھی۔

انگریزوں کے خلاف سب سے پہلی اجتماعی کوشش تحریک خلافت تھی۔ اس تحریک میں وہ جوش و جذبہ وہ عزم و ہمت اور وہ دم خم تھا کہ برطانوی حکومت جو ترکی اور جرمنی کی عظیم جنگی قوتوں کو تہس نہس کر کے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھری تھی اس تحریک کے سامنے لڑکھڑا کر رہ گئی۔

تحریک خلافت سراسر علمائے کرام کے جذبۂ جہاد کی آئینہ دار تھی۔ مولانا شوکت علی

اور مولانا محمد علی اس تحریک کے روح رواں تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ جنہیں "بی اماں" کے پیار بھرے الفاظ سے ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا تھا نہایت مجاہدانہ انداز میں تحریک کی رہنمائی فرمارہی تھیں سرزمین ہند میں وہ پہلی مسلمان خاتون تھیں جو عملی سیاست کے میدان میں اتری تھیں۔[۴]

اس تحریک میں مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری اور مولانا سید سلیمان ندوی کے نام سرفہرست تھے۔ ان کے علاوہ مولانا آزاد سبحانی، مولانا نورالحسن، مولانا محمد شعیب، مولانا اکرم خان، مولانا محی الدین، مولانا محمد منیرالزمان، مولوی محمد حلیم، مولانا محمد مختار اور مولانا محمد سجاد بھی تحریک کے بڑے ستون تھے، مولانا حسرت موہانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ولایت حسین اور دلی کے مشہور و معروف سجادہ نشین خواجہ حسن نظامی بھی مجاہدین کی صف اوّل میں شامل تھے۔

تحریک خلافت کے ساتھ پنجاب کے بہت سے نامی گرامی اور مذہبی جوش و جذبہ رکھنے والے علماء بھی وابستہ تھے۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان، غازی عبدالرحمٰن، چوہدری افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد اسحٰق مانسہروی اور مولانا غلام غوث ہزاروی نے بھی اس تحریک میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔[۵] یہ انگریز حکومت کی خوش نصیبی تھی کہ ادھر گاندھی نے جو تحریک خلافت کے لیڈر بن گئے تھے ستیہ گرہ کو ایکاایکی ختم کر دیا[۶] اور ادھر ترکوں نے خلافت کو ختم کر کے اپنے ملک کو ایک جمہوریت قرار دے دیا ورنہ تحریک خلافت جس زور شور سے چل رہی تھی اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ انگریز ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے اس ملک سے بوریا بستر باندھ کر چل دیتے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ اشتراک عمل

تحریک خلافت تو ختم ہو گئی لیکن اس تحریک نے مسلمانوں کے اندر آزادی کا جو جذبہ پیدا

کیا تھا وہ روز بروز قوی تر ہوتا چلا گیا۔ علمائے کرام آزادی کی تحریکوں کے ساتھ پوری طرح وابستہ ہو گئے۔ اس زمانے میں کانگرس اور مسلم لیگ ایک دوسری کی حریف جماعتیں نہ تھیں۔ چنانچہ بہت سے علماء ان سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے لگے۔

۱۹۲۸ء میں جب پنڈت موتی لال نہرو کی قیادت میں کانگرس کی ایک کمیٹی نے وہ رسوائے زمانہ رپورٹ تیار کی جسے عرفِ عام میں نہرو رپورٹ کہا جاتا ہے تو مسلمانوں کو پہلی بار اس امر کا احساس ہوا کہ ہندو کانگرسی رہنما برصغیر میں ہندوؤں کے سیاسی غلبہ کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں۔ نہرو رپورٹ اسی غلبے کے حصول کے لئے ایک انتہائی منظم سیاسی کوشش تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر کانگرس انگریزوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ تمام اہل ہند کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے تو انگریز نہرو رپورٹ کی بنیاد پر مستقبل کے آئینی اقدامات طے کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمانوں کو ۱۹۰۹ء سے علیحدہ نمائندگی کے جو حقوق حاصل ہو چکے ہیں وہ بھی چھن جائیں گے اور ہندو اکثریت ایک قوم کی حیثیت سے مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے مسلط ہو جائے گی۔

جب نہرو رپورٹ پر غور کرنے اور اسے منظور کرنے کے لئے آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس طلب کیا گیا اور اس کے لئے کلکتہ میں ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کی تاریخ مقرر کی گئی تو مسلم لیگ نے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے لئے تیئس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی کے سربراہ قائداعظم محمد علی جناح تھے اور انہوں نے ہی کانفرنس میں پوری وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کا نقطۂ نظر پیش کیا مگر کانگرس کے ہندو رہنماؤں نے اسے قبول نہیں کیا قائداعظم کے ہمراہ مسلم لیگ کے جو نمائندے تھے ان میں کئی سرکردہ علماء بھی شامل تھے جن کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالمجید، مولانا محمد اکرم خان، مولانا ظفر علی خان، مولانا مظہر علی خان اظہر، مولانا عبدالکریم،

مولوی محمد اسلام، مولوی عزیزالحق اور مولوی فیض نورعلی۔ ان علمائے بہ طیب خاطر مسٹر جناح کو اپنا قائد تسلیم کر لیا اور کانفرنس میں ان کے دلائل پر آمنا وصدقنا کہا۔

سیاسی کشمکش کا اہم ترین دور

سیاسی کشمکش کا حقیقی دور اس وقت شروع ہوا جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت نئے انتخابات ہوئے۔ اس وقت کانگرس اور مسلم لیگ دو حریف جماعتوں کی صورت میں انتخابات کے میدان میں اتری تھیں۔ کانگرس مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ بھی کرتی تھی جبکہ مسلم لیگ صرف مسلمانوں کی نمائندہ تھی۔

مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح تھے جن کو ابھی قائداعظم کا خطاب نہیں دیا گیا تھا کانگرس نے مسلم لیگ کے خلاف دو زبردست سیاسی داؤ استعمال کئے۔ ان میں سے ایک داؤ جماعت کے خلاف اور دوسرا جماعت کے سربراہ کے خلاف تھا۔ چنانچہ کانگریس نے دعویٰ کیا کہ ۱۔ مسلم لیگ خطاب یافتہ ٹوڈیوں اور سرکار پرستوں کی جماعت ہے۔

۲۔ مسٹر جناح اسلامی تعلیمات سے ناواقف اور محض نام کے مسلمان ہیں۔

قائداعظم کے خلاف نام کے مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ کانگریس کے علاوہ بعض مولویوں نے بھی کیا اور ان مسلم سیاسی لیڈروں نے بھی جن کی مختلف صوبوں میں اپنی اپنی سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ان پارٹیوں میں پنجاب میں یونینسٹ پارٹی تھی۔ بنگال میں مولوی فضل الحق کی کرِشک پرجا پارٹی تھی اور سرحد میں خان برادران کی خدائی خدمتگار پارٹی تھی۔ یونینسٹ اور کرشک پرجا پارٹیاں نہ کانگرس کی ہمنوا تھیں اور نہ مسلم لیگ کی۔ لیکن خدائی خدمتگار یا سرخپوش پارٹی تو کانگرس کی ذیلی پارٹی تھی۔

مسلم لیگ اور کانگرس کا سب سے زوردار مقابلہ یو۔ پی میں تھا کیونکہ مسلم لیگ کو

مضبوط ترین پوزیشن اسی صوبے میں حاصل تھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اسی صوبے کی طرف اپنی سب سے زیادہ توجہ دی ہوئی تھی۔ یو۔ پی ہی میں جمعیتہ العلمائے ہند کا مرکز تھا۔ اس لئے جمعیتہ العلمار کا زور بھی اس صوبے میں زیادہ تھا۔ تاہم بہت سے علمائے دین انتخابات میں مسلم لیگ کے حامی تھے اور مسلم لیگی امیدواروں کے لئے کام کر رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر تو چند سال پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے لیکن ان کے تیر دل بڑے بھائی مولانا شوکت علی زندہ تھے۔ چوہدری خلیق الزمان جو یو۔ پی میں مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے سربراہ تھے اپنی کتاب "پاتھ وے ٹو پاکستان" کے صفحہ نمبر ۱۵۲ پر لکھتے ہیں۔

"ہماری خوش نصیبی تھی کہ تحریک خلافت کے ہیرو مولانا شوکت علی مسلم ذہن پر اپنے تمام اثر و رسوخ کے ساتھ ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے لیگ کی خاطر ایک سپاہی کی طرح تمام صوبے کا دورہ کیا۔ جمعیت کے مولانا حسین احمد، مولانا احمد سعید مفتی کفایت اللہ اور عبدالباری کے بیٹے مولانا جمال میاں جو اب بڑے صاحب فہم پرجوش اور زبردست مقرر بن چکے تھے، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا کرم علی اور کئی دوسرے علمار نے دل و جان سے ہماری مدد کی اور تقریباً ان تمام مراکز میں جہاں سے مسلم لیگ کے امیدوار کھڑے تھے دورے کرتے تھے۔" [۸]

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں علمار کے جس گروہ نے مسلم لیگ اور مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ تعاون کیا وہ علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) تھے۔ اپنی زندگی میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی مسلم لیگ کے زبردست حامی رہے اور ان کے بعد ان کے لائق فرزند مولانا جمال میاں مسلم لیگ کے زبردست مؤید اور کارکن تھے۔ فرنگی محل ہی کے ان کے ایک اور ساتھی مفتی عنایت اللہ بھی مسلم لیگ کے با اعتماد ساتھی تھے، ان کے

علاوہ فرنگی محل کے مولانا صبغۃ اللہ اور مولانا عبدالوہاب جمال الدین بھی ایک عرصے تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔[9]

آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ

قائداعظم محمد علی جناح علماء کو کتنی اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی بورڈ کے ارکان کی فہرست دیکھنے سے ہو سکتا ہے جو ۱۹۳۶ء میں آنے والے انتخابات کے لئے لیگ کی پالیسی اور پروگرام کے لئے بنایا گیا اور جو بعد میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی صورت اختیار کر گیا۔ اس بورڈ میں جو سرکردہ علماء تھے ان کے نام یہ ہیں ۔

۱۔ مولانا اکرم خان (بنگال) ۲۔ مولانا شوکت علی (یو۔پی) ۳۔ مولانا حسین احمد مدنی (یو۔پی) ۴۔ شیخ عبدالمجید سندھی ۵۔ مولوی محمد صدیق کھڈہ (سندھ) ۶۔ مولانا اللہ بخش یوسف (سرحد) ۷۔ مولانا عبدالرحیم غزنوی (سرحد) ۸۔ مولانا محمد اسحٰق خان مانسہروی (ہزارہ) ۹۔ مولانا عبدالقادر قصوری ۱۰۔ چوہدری افضل حق (پنجاب) ۱۱۔ مولانا سجاد پھلواری شریف (بہار) ۱۲۔ مفتی کفایت اللہ (بہار) ۱۳۔ مولانا احمد سعید (دہلی)۔[10]

اگرچہ جمعیت العلمائے ہند کے ارکان کو اس لئے پارلیمنٹری بورڈ میں لیا گیا تھا کہ قوم کے مختلف طبقوں میں اتحاد بڑھے گا۔ لیکن ان ارکان نے بورڈ کے پہلے ہی اجلاس میں جو ۸ تا ۱۰ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور میں ہوا یہ مطالبہ کیا کہ مجالس واضعان قوانین میں جو معاملات پیش ہوں، ان میں علماء کی رائے فیصلہ کن ہو۔ لیکن یہ کسی نے منظور نہیں کیا ایک تو یہ کہ جمعیت العلماء صرف ایک گروہ کے عالموں کی نمائندہ تھی۔ اس لئے اسے ایسے دعوے کا حق نہ تھا، پھر اگر وہ تمام علماء کی بھی نمائندہ ہوتی تب بھی ایسی عمومیت کے ساتھ یہ حق ان کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔[11]

جمعیت العلمائے ہند کی بازگشت

انتخابات سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ بعض صوبوں خصوصاً یو۔پی میں کانگرس اور مسلم لیگ پارٹیاں مخلوط حکومت قائم کریں گی۔ لیکن مسلم اقلیتی صوبوں میں کانگرس کو توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی لہٰذا اس نے مسلم لیگ کے ساتھ اشترک عمل سے بالکل انکار کر دیا۔ یو۔پی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے قائد کو یہ پیش کش کی گئی کہ اگر وہ اپنی پارٹی کو کانگرس پارٹی میں ضم کر دیں تو وزارت میں ان کے دو نمائندے لئے جا سکتے ہیں، مسلم لیگ پارٹی کے قائد نے اس پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۰ر مئی ۱۹۳۶ء کو الہ آباد کے مقام پر علمار کا ایک اجلاس بلایا، اس سے صرف ۱۲ دن پہلے مراد آباد میں مسلم لیگ کی طرف سے علمار کا ایک اجلاس مدعو کیا گیا تھا، جس میں اکثر علمار نے مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اب صرف ۱۲ دن بعد مولانا آزاد نے کچھ اس انداز میں ان کو رام کر لیا کہ کئی علمار خصوصاً جمعیت العلمائے ہند کے اکثر علمار نے مسلم لیگ کو چھوڑ کر دوبارہ کانگرس میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جمعیت کے سیکرٹری مولانا احمد سعید نے یو۔پی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چوہدری خلیق الزمان کو ایک خط میں لکھا۔

> "آپ کی لیگ کچھ نہ کرے گی اور نہ اس سے کچھ ہو گا، اگر لیگ کسی قابل ہوتی تو مسلمانوں کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔" ۱۲

اس میں کچھ شک نہیں کہ انتخابات میں مسلم لیگ کو کچھ ایسی کامیابی نہ ہوئی تھی اور اسے ہندوستان بھر میں ۴۸۴ نشستوں میں سے صرف ۱۰۸ نشستیں حاصل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ کو کام کرنے کا وقت بہت کم ملا تھا اور دوسرے اس کے

پاس روپے کی بہت کمی تھی۔ چنانچہ یو۔ پی میں چندے کے لئے مہم چلائی گئی تو صرف اکیس ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ جب کہ کانگرس کے الیکشن فنڈ میں ہندو سرمایہ دار لاکھوں روپے دیتے تھے اور تیسری اور سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمان سیاستدانوں نے اپنی صوبائی تنظیموں کو مضبوط بنایا تھا اور بیشتر مسلمان امیدواروں نے ان صوبائی تنظیموں کے ٹکٹوں پر الیکشن لڑکر کامیابی حاصل کی تھی۔

جمعیت العلماء کا زوال اور مسلم لیگ کا عروج

ان حالات میں جمعیت العلماء کا فرض تھا کہ وہ ملک بھر میں مسلمانوں کی تنظیم کو مضبوط بنانے اور مستحکم بنانے کے لئے تدابیر اور علاقائی مفادات کے خلاف جدوجہد کرتے، جس سے قوم بھی مضبوط و مستحکم ہوتی اور خود ان کا وقار بھی بڑھتا لیکن انہوں نے کیا یہ کہ مسلم لیگ سے کنارہ کر کے کانگرس سے جا ملے جو چاہے کچھ بھی تھی لیکن مسلمانوں کی نمائندہ ہرگز نہ تھی۔

جمعیت العلماء کے طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان عوام میں ان کا وقار نہایت تیزی سے کم ہونا شروع ہوا۔ تاریخ پاکستان کے صفحہ ۳۸۳ پر اس کے مصنفین لکھتے ہیں۔

ان دنوں صوبہ یو۔ پی میں پانچ ضمنی انتخابات ہونے والے تھے۔ محمد علی جناح نے اعلان کیا کہ اگر کانگرس کو یہ مان ہے کہ مسلمان اس کے ساتھ ہیں تو وہ مسلم لیگ کے مقابلے میں یہ انتخابات لڑے اور جیت کر دکھائے۔ چنانچہ یہ انتخابات ہوئے۔ ایک طرف کانگرس تھی دوسری طرف مسلم لیگ مگر پانچوں نشستوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ [۱۳]

جمعیت العلمائے ہند کے علماء نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا مگر دوسرے مسلم لیگ کے نہایت مخلص ساتھی تھے۔ جھانسی کے ضمنی انتخاب کے سلسلے میں چوہدری خلیق الزمان لکھتے ہیں۔

"دیو قامت مولانا شوکت علی تمام تر مقبولیت سمیت علمائے لیگ کی ایک ٹیم کے ہمراہ جھانسی کی طرف تیزی سے گئے۔ ان کے ساتھ مولانا جمال میاں مفتی عنایت اللہ فرنگی محل، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا کرم علی، اے۔ بی حبیب اللہ جو ریاست محمود آباد کے ناظم تھے اور سید ذاکر علی جیسے لوگ تھے مقابلہ بہت سخت تھا لیکن بالآخر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ مسلم لیگ کے امیدوار نے کامیابی حاصل کی۔"[۱۴]

علماء مسلم لیگ کونسل میں

مسلم لیگ کے اندر سب سے مقتدر اور با اختیار ادارہ مسلم لیگ کونسل کا تھا۔ اس میں ہر صوبے سے اس کی آبادی کے تناسب کے مطابق ارکان نامزد کئے جاتے تھے۔ ۱۹۴۰ء اور اس کے بعد کے مسلم لیگ کونسل کے ارکان میں علماء کی ایک معقول تعداد نظر آتی تھی اور یہ علماء بھی ایسے تھے کہ عوام میں ان کی دینی عظمت اور حمیت مسلم تھی مثلاً مولانا محمد اکرم خان، مولانا عبدالحامد قادری بدایونی، مولانا صبغۃ اللہ فرنگی محل، مولانا عبدالوہاب جمال الدین فرنگی محل، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبداللطیف فاروقی (مدراس) مولانا مفتی برہان الحق (جبل پور) سید محمد یوسف شاہ مہاراج، درگاہ شریف (اجمیر) مولانا عبدالرشید ترکاباگیش (پٹنہ) مولانا عبدالحمید خان (آسام) مولانا عبدالحئی حقانی (کراچی) مولانا ظفر علی خان (لاہور) پیر عبدالستار خان سرہندی (حیدر آباد) پیر غلام رسول مجددی سرہندی مولانا محمد شفیع (بردوان) مولوی تمیز الدین خان (بنگال) وغیرہ۔ علماء اور مولوی صاحبان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک وقت میں تقریباً ۵۶ علمائے کرام کونسل کے ارکان تھے۔ ان میں آسام کے ۲۴ ارکان میں سے ۲۲ ارکان مولوی تھے

اسی طرح اڑیسہ سے کونسل کے کل ارکان کی تعداد ۹ تھی جن میں سے ۸ مولوی صاحبان تھے۔[۱۶]

تحریک پاکستان کے دوران علماء کا طرز عمل

۱۹۴۰ء تک مسلمان عوام اور علماء کے سیاسی رویئے میں فکر و عمل کا مکمل اتحاد موجود نہ تھا اگرچہ ۱۹۳۷ء کے بعد عوام، سیاسی شخصیتیں اور علماء مسلم لیگ کی طرف مائل ہونے لگے تھے اور ۱۹۴۰ء تک یہ حالت ہو گئی تھی کہ نوّے فیصد مسلم عوام لیگ کے ہمنوا بن گئے تھے لیکن لیگ کے لئے مسلمانوں کا حقیقی جوش و خروش مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے سالانہ اجلاس کے بعد شروع ہوا تھا۔

۱۹۴۵ء میں جب جنگ کا خاتمہ ہوا تو پچھلے انتخابات کو نو سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور نئے انتخابات کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ جب سے انگریزوں نے اہل ہند کو صوبائی اور مرکزی اسمبلی میں نمائندگی کے حقوق دیئے تھے اس وقت سے لے کر ۱۹۴۵ء تک کبھی انتخابات میں اتنا طویل عرصہ نہ گزرا تھا۔ عام انتخابات ۱۹۴۶ء کے شروع میں ہوئے ان انتخابات میں مسلم عوام تو ہر جگہ مسلم لیگ کے ساتھ تھے ہی علماء اور مشائخ کی اکثریت بھی مسلم لیگ ہی کی حامی تھی۔ لیکن جمعیت العلمائے ہند دہلی کے علماء بدستور کانگرس کے ساتھ تھے تاہم عوام کے مقابلے میں ان علماء کی پیش نہ گئی۔ عمومی انتخابات میں مرکزی اسمبلی میں تو مسلمانوں کی تیس کی تیس نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں اور صوبائی نشستوں میں سے نوے فیصد سے زیادہ نشستیں مسلم لیگ کے حصے میں آئیں۔ صرف صوبہ سرحد میں سرخپوشوں نے کچھ سیٹیں حاصل کیں ورنہ سندھ میں چھتیس کی چھتیس نشستیں مسلم لیگ نے جیتیں۔ اس کے علاوہ لیبر کی سیٹ بھی مسلم لیگی امیدوار نے حاصل کر لی۔ پنجاب میں صرف سات یونینسٹ مسلمان کامیاب ہوئے، باقی ۷۹ نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ بنگال میں بھی صرف چند سیٹیں غیر مسلم لیگی مسلمانوں نے حاصل کیں۔[۱۷] مسلمانوں کے اقلیتی صوبوں میں ہر جگہ مسلم لیگ

نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی، لیکن ایک دو نشستیں غیر مسلم لیگی نے حاصل کر لیں تو اس کا چنداں فرق نہ پڑتا تھا بعض صوبوں میں سو فیصد سیٹیں مسلم لیگی امیدواروں نے حاصل کر لیں۔

علمائے کرام کا اشتراک عمل

۱۹۴۶ء میں عام انتخابات میں ملک بھر کے علماء نے عام طور پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔ جن علماء نے کانگرس سے اشتراک کیا تھا وہ عوام میں تو غیر مقبول ہوئے ہی تھے علماء کے ایک بڑے طبقے نے بھی ان پر شدید نکتہ چینی کی۔ اس ضمن میں جامعہ عثمانیہ کے شیخ التفسیر مولانا مناظر احسن گیلانی نے ایک خط مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو لکھا جو جنوری ۱۹۴۶ء کے صدق میں شائع ہوا۔ انہوں نے اس خط میں مسلم لیگ کا ساتھ نہ دینے والے علماء پر سخت تنقید کی۔[۱۸]

اس سے کچھ دن پہلے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کے "صدق" میں مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک شذرہ شائع ہو چکا تھا۔ جس کے ساتھ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ایک تائیدی نوٹ بھی تھا۔ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں۔

"مجلس دارالمصنفین بھی ایک ادارہ ہے تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے اور اس کو عملی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے خطا و صواب اپنی اپنی جگہ پر لیکن اکثریت کی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اس وقت جبکہ اس میں محض مصالح اسلامیہ کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔"[۱۹]

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی تصریحات

عثمانی خلیفۂ مجاز مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان علماء کو جو ہندوستان کی آزادی

کی جدوجہد میں کانگرس سے اشتراک عمل کر رہے تھے اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے قائل تھے بتایا:

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل اسی شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں"۔

"اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ ہے کہ کانگرس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟"۔ پاکستان کے بارے میں مولانا ظفر احمد فرماتے ہیں۔

"رہا مطالبۂ پاکستان سو جب کہ بحالت موجودہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے، اسلامی سلطنت بنا لینا لازمی ہے۔ اس کی نظیر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے جب کہ مکہ معظمہ میں اسلامی حکومت اور نظام اسلام قائم نہ ہو سکا تو مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا اور پھر اسی مرکز سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ پاکستان سے بھی اسلام کو ترقی حاصل ہو"[۲۰]

مولانا شبیر احمد عثمانی کا اعلائے کلمۃ الحق

تحریک پاکستان میں یوں تو سینکڑوں علمائے حق نے کام کیا تھا لیکن ان علماء میں جنہیں ملت میں بڑا مقام حاصل تھا مولانا شبیر احمد عثمانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں مولانا شبیر احمد عثمانی کا ایک اہم بیان نومبر ۱۹۴۵ء کے عصر جدید (کلکتہ) میں شائع ہوا تھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"کیا کانگرس کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی شخص انکار نہیں

کرسکتا تھی پھر مسلمان داخل ہو کر یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہ راست پر لے آئیں گے اور کیا مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے اسی امید کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ اچھا جان لو کہ لیگ نے وہ سب غلطیاں کی ہیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں مگر کیا ترکوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے اس سے کچھ کم غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ تاہم جب کبھی کوئی معاملہ ترکی سلطنت کا ہمارے سامنے آتا ہے ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام غلط کاریوں کے باوجود وہ کلمہ گو ہیں، مسلمان ہیں۔ اس لئے ہم ہر دوسری غیر اسلامی طاقت کے مقابلہ میں ان کی طرف جھکتے ہیں۔ آج ہندوستان میں بھی مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے، اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں۔ پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مرجح و بے غبار ہے اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکام ہو گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ شاید ایک سچا اصول ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی سنائی نہ دے" [۲۱]

مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کی تائید و حمایت کے لئے جمعیت العلمائے اسلام قائم کی جس نے جمعیت العلمائے ہند کے مقابلے میں بہت کام کیا۔ پاکستان قائم ہوا تو آپ کراچی تشریف لائے اور پاکستان میں دینی اقدار کے فروغ کے لئے بہت کام کیا۔ وہ قائداعظم کے دستِ راست تھے اور ہر معاملے میں قائداعظم کو اپنے قیمتی مشورے دیا کرتے تھے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ قیام پاکستان کے دن قائداعظم

نے کراچی میں پاکستان کا پرچم لہرانے کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کو اور ڈھاکے میں اسی کام کے لئے مولانا ظفر احمد عثمانی کو منتخب کیا تھا۔ اور انہی دو حضرات نے ایک ہی وقت میں پاکستان کے دونوں حصوں میں پاکستان کے پرچم لہرائے تھے۔

صوفیائے کرام اور پاکستان

علمائے کرام سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ صوفیا نے پاکستان کے لئے کام کیا صوفیائے کرام کے کام سے متعلق اس مقالے میں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں لیکن جن عظیم صوفیا، نے تحریک پاکستان کی بڑی شد و مد کے ساتھ مدد کی ان کا ذکر ضروری ہے۔ ان صوفیا میں سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہٰی دہلوی پیش پیش تھے۔ درگاہ حضرت بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متولی صاحب بھی پاکستان کی تائید و حمایت میں بڑے سرگرم تھے۔ پنجاب میں پیر سید جماعت علی شاہ اور پیر صاحب گولڑہ شریف نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں بڑا کام کیا۔ گولڑہ شریف کے پیر صاحب نے ملک خضر حیات خان وزیر اعظم پنجاب سے جو ان کے مرید تھے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ وہ مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرتے۔ سرحد میں پیر صاحب مانکی شریف نے مسلم لیگ کے لئے ان تھک محنت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سرحد میں ریفرنڈم کی کامیابی میں موصوف کا حصہ نہایت قابل قدر تھا۔

حوالہ جات

۱۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ دی انڈین مسلمانز ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ص ۳، ۴ اور اس سے آگے

۲۔ جنگ آزادی پاک اکیڈمی۔ ص ۴۱۴، ۴۱۵۔ جہاد کا فتویٰ پینتیس نامی گرامی علمار کے دستخطوں سے جاری کیا گیا تھا جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی، مفتی احمد سعید بریلوی اور قاضی سرفراز علی شامل تھے۔ قاضی سرفراز علی نے یہ فتویٰ جامع مسجد دہلی میں پڑھ کر سنایا تھا۔ بعد میں ان علمار کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی تھی۔

۳۔ فرائضی تحریک کی تفصیلات دی انڈین مسلمانز از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر میں دیکھی جا سکتی ہیں

۴-۵۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے "پاکستان ناگزیر تھا" از حسن ریاض اور پاتھ وے ٹو پاکستان از چوہدری خلیق الزمان" دوسری تمام مستند تاریخی کتابوں میں بھی تفاصیل موجود ہیں۔

۶۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ فاؤنڈیشنز آف پاکستان از شریف الدین پیرزادہ جلد اول

۷۔ ہسٹری آف انڈیا آفٹر ۱۵۲۶۔ مہاجن وسیلٹھی۔ ص ۴۲۸

۸۔ پاتھ وے ٹو پاکستان از چوہدری خلیق الزمان۔ ص ۱۵۲

۹۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ پاکستان ناگزیر تھا از حسن ریاض

۱۰۔ پاتھ وے ٹو پاکستان۔ از چوہدری خلیق الزمان۔ ص ۴۱۶، ۴۱۷

۱۱۔ پاکستان ناگزیر تھا۔ از حسن ریاض۔ ص۔ ۱۸۴

۱۲۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ پاتھ وے ٹو پاکستان۔ از چوہدری خلیق الزمان

۱۳-۱۴۔ پاتھ وے ٹو پاکستان از چوہدری خلیق الزمان۔ ص ۱۵۹

۱۵۔ یہ نام اور اعداد و شمار اس زمانے میں مسلم لیگ کی طرف سے شائع ہونے والی فہرستوں سے لئے گئے ہیں۔

۱۶۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ قائداعظم محمد علی جناح۔ از جی الانہ اور پاتھ وے ٹو پاکستان
از چوہدری خلیق الزمان۔

۱۷۔ قائداعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری۔ ص ۳۹۶

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۳۹۷

۱۹۔ ایضاً۔ ص ۳۹۸

۲۰۔ ایضاً۔ ص ۳۹۹

۲۱۔ عصر جدید کلکتہ۔ نومبر ۱۹۴۵ء